ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.2(2024)
(April to June)

کشور ناہید کی خود نوشت ”بُری عورت کی کتھا“ میں تانیثی عناصر کا تنقیدی جائزہ

A Critical Review of Feminist Elements in Kishore Naheed's Autobiography "Buri Aurat Ki Katha"

اصغر بشیر
پی ایچ ۔ڈی سکالر، شعبہ اُردو، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد
افزاء الطاف
ایم۔فل اسکالر، شعبہ اُردو، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، فیصل آباد

Asghar Bashir
Doctoral Candidate, Department of Urdu, Riphah International University, Faisalabad
Afza Altaf
M.Phil Scholar,Department of Urdu,Riphah International University, Faisalabad

Abstract:
Kishwar Naheed's autobiography, "Buri Orat Ki Katha," masterfully interlaces feminist themes, vividly portraying the intricate realities of a woman's life within a patriarchal society. This research paper delves into the multi-dimensional feminist themes interwoven throughout Naheed's life narrative, drawing attention to the various aspects of her journey. The analysis encompasses the challenges and struggles she faced as a woman in a conservative society, her path to empowerment and self-discovery, the assertion of her voice and agency, the dynamics of her relationships and family, her activism and advocacy for women's rights, her reflections on sexuality and body image, her career achievements breaking through gender norms, and her experiences related to reproductive rights and choices. Throughout the autobiography, a critical examination of gender inequality prevails, serving as a poignant call to action and a testament to the resilience and determination of women in their pursuit of gender equality and social justice.

Keywords: Feminism, Eastern Feminism, Buri Orat ki Katha ,Autobiography, Gender Inequality, Self-awareness, Feminist Struggle

خود نوشت سوانح عمری زندگی کے تجربات اور ان تجربات سے اخذ کیے گئے نتائج کو قارئین تک پہنچانے کے لحاظ سے ایک اہم ذریعہ ہے۔ نسوانی خود نوشت سوانح عمری کی حیثیت نظریاتی مطالعے کے لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس کے ذریعے نسوانی آواز اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ مدلل انداز میں پیش کی جاسکتی ہے۔ ایک نسوانی خود نوشت جنس، شناخت، اور طاقت کی حرکیات کے درمیان پیچیدہ کھیل کا تجزیہ کرنے کے لیے مناسب میدان قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی تحریروں کا بیانیہ ذاتی معیارات سے اوپر اٹھ کر سماجی مسائل کو زیر بحث لاتا ہے اور عورتوں کے حقوق کی وکالت کرتا ہے۔

ہر نظریہ ایک مخصوص حالات کے رد عمل میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ تانیثی نظریہ مغرب میں مخصوص تاریخی سیاق وسباق صنعت کاری، تولیدی حقوق، اور حق رائے دہی کی تحریک کے طور پر پروان چڑھا۔ یہی نظریہ جب مشرق میں آتا ہے تو یہاں کے

مخصوص سماجی، سیاسی اور معاشرتی حالات سے تعامل کر کے ایک مختلف صورت میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ شاہد حسین اپنے مضمون 'مشرق اور مغرب کا تصور تانیثیت: ایک تقابلی مطالعہ' میں مشرق و مغرب کے تانیثی تصور کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے کہتے ہیں: مغرب میں تانیثیت ثقافت کی مکمل نفی کرتی ہے تو مشرق کے مصنفین تانیثیت کو اپنی مذہبی و ثقافتی روایات کے مطابق جڑا ہوا دیکھتے ہیں۔ اسی لیے وہ مساوات کی تلاش میں خاندانی ڈھانچے اور صنفی کرداروں کی مکمل نفی نہیں کرتے بلکہ اس کو محفوظ رکھنے کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ مشرقی فیمینسٹ مصنفین اقتصادی ترقی، سامراج مخالفت اور ثقافتی تحفظ پر زور دیتے ہیں (۱)۔ اس سلسلے میں یہ دلیل دی جا سکتی ہے کہ مشرقی فیمینسٹ ابھی سماجی ڈھانچے پر اس مقام پر نہیں پہنچ سکے کہ وہ زندگی کے بڑے مسائل جیسے نظام کی برتری، تقاطع، اور نمائندگی کے حوالے سے شدومد کے ساتھ جستجو کر سکیں۔ ان کی جستجو ابھی زندگی کے بنیادی حقوق مثلاً تشدد سے آزادی، صحت اور تعلیم کے مواقع تک محدود ہے۔

کشور ناہید کو ایک خاتون شاعرہ، سماجی کارکن، اور انقلابی نثر نگار کے طور پر بڑے پیمانے پر پہچانا جاتا ہے۔ اس کی سوانح عمری، 'بُری عورت کی کتھا' ان کی زندگی کے تجربات بیان کرتی ہے۔ اس خود نوشت سوانح عمری میں، کشور ناہید نے فلسفیانہ انداز اپنایا ہے، جس میں ایک لڑکی سے عورت تک کے سفر میں درپیش مشکلات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں پیش آنے والی مشکلات پر، پیچیدہ تفصیلات میں جائے بغیر، فصاحت سے گفتگو کرتی ہے۔ ۱۹ جون ۱۹۴۰ء کو بھارت کے قدامت پسند خاندان میں پیدا ہونے والی کشور ناہید نے خواتین کے حقوق کے لیے خود کو وقف کرتے ہوئے غیر روایتی زندگی کا انتخاب کیا۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ "لب گویا" ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا، جس نے بڑے پیمانے پر پذیرائی حاصل کی اور اسے ۱۹۶۹ء میں آدم جی ایوارڈ سے نوازا گیا۔ کشور ناہید کی کتاب "دیس دیس کی کہانیاں" کو یونیسکو ایوارڈ برائے اطفال دیا گیا۔ ۱۹۹۷ء میں منڈیلا ایوارڈ، اور ۲۰۰۰ء میں ستارہ امتیاز دیا گیا۔ کولمبیا یونیورسٹی نے انہیں بہترین مترجم کے ایوارڈ سے نوازا۔ "بری عورت کی کتھا" تانیثی ادب میں زوردار آواز کی حیثیت رکھتی ہے اور راوی کے لیے معاشرے میں موجود استبداد اور مزاحمت کو عیاں کرتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کتاب پاکستانی معاشرے میں موجود غیر متوازن جنسی حرکیات پر ایک چبھتا ہوا تبصرہ بھی پیش کرتی ہے۔ ڈاکٹر شبانہ سلیم اس خود نوشت کے اسلوبِ نگارش کے باب میں رقم طراز ہیں:

> "'بری عورت کی کتھا' ایک صاحبِ طرز شاعرہ اور صاحبِ اسلوب نثر نگار خاتون کشور ناہید کی خود نوشت ہے جس کی نثر میں تجریدی آرٹ کا ذائقہ ہے اور جس کے علم و مطالعہ کی پرچھائیاں اس کے سیدھے سادے بیان کے پس منظر میں بھی ناچتی رہتی ہیں۔ وہ کبھی عالمی سطح پر مشہور اساطیری حوالوں سے بات کرتی ہے، کبھی دنیا کی تاریخی شخصیات اور فنون لطیفہ، مصوری، شاعری اور رقص اور موسیقی کے تذکروں کو وسیلۂ اظہار بناتی ہے۔" (۲)

"بری عورت کی کتھا" ایک مثالی خود نوشت ہے جس میں کشور ناہید نے اپنی ذاتی تجریدی اور فنی نقطہ نظر کو بہترین انداز میں پیش کیا ہے۔ اس خود نوشت میں اُنہوں نے عالمی سطح پر معروف اساطیری حوالوں اور دنیا کی تاریخی شخصیات کو ایک خاص زاویے سے پیش کیا ہے، جو پڑھنے والوں کو نئی اور غیر معمولی دنیا دکھاتا ہے۔

کشور ناہید کی تحریر میں مستند اور متفکرانہ اظہار ہوتا ہے جو پڑھنے والوں کو ہر موضوع پر سوالات کرنے اور اُنہیں نئی راہوں پر سوچنے کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اُنہوں نے شاعری، تاریخ، فنون لطیفہ، مصوری، رقص، اور موسیقی کو اپنا حوالہ بناتے ہوئے اپنی

ذات کا اظہار کیا ہے۔ خود نوشت 'بری عورت کی کتھا' کا عنوان ایک طنزیہ عنوان ہے اس عنوان کے ذریعے کشور ناہید نے ان وسیع معاشرتی اصولوں کی طرف توجہ مبذول کروانے کی کوشش ہے جو مساوی حقوق کی وکالت کرنے والی خواتین کو اخلاقی طور پر قابل مذمت قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح اصطلاح "بُری عورت" (بدکار عورت) کا انتخاب پاکستانی معاشرے میں مروجہ صنفی حرکیات پر ایک تبصرہ ہے، یعنی وہ خواتین جو روایتی کرداروں کو چیلنج کرنے اور اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھانے کی ہمت کرتی ہیں، انہیں اکثر بدنام کیا جاتا ہے۔ اس عنوان کے ذریعے، کشور ناہید نہ صرف اپنی ثقافت میں خواتین کو درپیش موروثی تعصب اور تعصب کو اجاگر کرتی ہے بلکہ اس دقیانوسی تصور کو بھی ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے جو جمود پر سوال اٹھانے کی ہمت کرنے والوں کی قدر کم کرتی ہے۔ طنز کو بروئے کار لاتے ہوئے، کشور ناہید قارئین کو ان سماجی تعمیرات پر غور کرنے کی ترغیب دیتی ہے جو مساوی حقوق کی حامی خواتین کو 'برا' قرار دیتی ہیں۔ اس لحاظ سے 'بری عورت کی کتھا' پاکستان میں صنفی امتیاز اور خواتین کے حقوق کے لیے جدوجہد پر ایک اہم مکالمے کا آغاز کرتی ہے۔

چیلنجز اور جدوجہد صنفی مساوات کے لیے جاری جنگ کے لازمی اجزا ہیں۔ خواتین کو پوری تاریخ میں امتیازی سلوک اور جبر کا سامنا رہا ہے، اور ان کے حقوق کے لیے جدوجہد میں مختلف رکاوٹیں آتی رہی ہیں۔ یہ چیلنجز نہ صرف قانونی تفریق پر مشتمل ہیں بلکہ گہرے معاشرتی اصولوں اور دقیانوسی تصورات کو بھی گھیرے ہوئے ہیں جو صنفی عدم مساوات کو برقرار رکھتے ہیں۔ حقوق نسواں کو تبدیلی کے خلاف مزاحمت کرنے والوں اور جمود سے فائدہ اٹھانے والے طاقت کے ڈھانچے کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان مشکلات کے باوجود، فیمینسٹ ایک متحرک تحریک کے طور پر کام کرتے رہے ہیں۔ کشور ناہید اپنی خود نوشت میں زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنی جدوجہد اور اس سلسلے میں درپیش مسائل کا تفصیلی ذکر کرتی ہے۔ صنفی امتیازات، استبداد اور عدم مساوات اس کے خاص موضوعات ہیں۔ وہ لکھتی ہے:

> "گزشتہ چودہ برس میں ۱۹۷۹ء سے ۱۹۹۳ء تک کہ شوہروں نے بیویوں کو زنا کے جرم میں جیل بھجوا دیا کہ وہ سکون سے دوسری شادی کر سکیں۔ بھائیوں نے بہنوں پر زنا کا الزام لگایا اور ان کا حق وراثت ہڑپ کر لینے میں مردانگی محسوس کی" (۳)

درجہ بالا اقتباس ایک پریشان کن صورت حال کی نشاندہی کرتا ہے کہ کس طرح پدرانہ اصولوں اور صنف پر مبنی جبر نے خواتین کو منظم طریقے سے نشانہ بنانے کی اجازت دی ہے۔ بیویوں پر زنا کے ناجائز الزامات اور اس کے نتیجے میں ہونے والی سزائیں طاقت کے ایک خطرناک غلط استعمال کی نمائندگی کو ظاہر کرتی ہیں۔ یہ اقتباس خواتین کی زندگیوں پر مردوں کے کنٹرول اور لا محدود اختیارات کے کی ایک مثال ہے۔

خود آگہی اور خود مختاری تانیثی جدوجہد میں اہم پہلو ہے۔ تانیثیت جابرانہ ڈھانچوں کو ختم کرنے اور خواتین کے حقوق کو تسلیم کرنے کی وکالت کرتی ہے۔ یہ اہداف خود آگہی اور ذاتی خود مختاری کے خیال سے اندرونی طور پر جڑے ہوئے ہیں۔ جب افراد، خاص طور پر خواتین، اپنی ذات کا ادراک پاتے ہیں تو ان کی اپنی ضروریات، خواہشات اور حدود کے بارے میں تفہیم بڑھنے لگتی ہے۔ یہ خود آگہی میں اضافہ انہیں اپنی خود مختاری پر زور دینے، باخبر انتخاب کرنے، اور ان کی حدود کو محدود کرنے والے معاشرتی اصولوں کو چیلنج کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ 'بری عورت کی کتھا' کے ابتدائی صفحات میں کشور ناہید اپنے بارے میں کچھ یوں رقم طراز ہے:

"میں آج یہاں اٹلی میں بیٹھی اپنی کتھا لکھ رہی ہوں، اسپین میں میری ایک بیٹی شارٹس اور امریکہ میں دوسری بہو اسکرٹ پہنتی ہے۔ میری بھانجیاں امریکہ میں ڈاکٹریٹ کر رہی ہیں اور میری ماں ڈولی میں بیٹھ کر سفر کرتی تھی۔"(۴)

یہ اقتباس حقوق نسواں کی گفتگو میں خود آگہی اور خود مختاری کی اہمیت کو واضح کرتا ہے، اس بات پر روشنی ڈالتا ہے کہ ایک عورت لکھاری کس طرح اپنی تقدیر کو فعال طور پر تشکیل دینے کے لیے اوزار کے طور پر کام کرتی ہے۔ ایک خود نوشت اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ ایک فرد کس طرح اپنی ذات کے شعور کا سفر طے کرتا ہے۔ خود مختاری کیسے حاصل کرتا ہے اور روایتی جنسی کرداروں اور سماجی توقعات سے کس انداز میں آزادی حاصل کرتا ہے۔ ایک تانیثی خود نوشت میں ایک عورت کا دوسری عورتوں کے بارے میں بیان اور ان سے تعلقات بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ اس کے ذریعے قاری نہ صرف دوسری نسوانی کرداروں سے واقفیت حاصل کرتے ہیں بلکہ ان عناصر سے بھی واقف ہوتے ہیں جنھوں نے مصنف کے کردار کی سوچ میں بہتری لانے میں خاص کردار ادا کیا ہوتا ہے اور اس کا نقطہ نظر بنایا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک موقع پر کشور ناہید رقم طراز ہے:

"عورت تو ہے کم تر درجہ۔۔۔ ورنہ عورت خدا نہ ہوتی، پیمبر ہوتی، مرد کے برابر ہوتی۔ اس لیے عورت سربراہ مملکت نہیں ہو سکتی۔ کون کہہ رہا ہے، کون فیصلہ صادر کر رہا ہے۔ وہ سب جن کو عوام نے مسترد کیا، ووٹ نہیں دیا، اپنی نمائندگی کے لائق نہیں سمجھا۔ وہ مذہب کی ڈھال استعمال کرنے کی جرات، ہر اس دوسرے دن سے شروع کر دیتے ہیں جب عوام ان کے خلاف فیصلہ سناتے ہیں وہ مرد ہیں۔ وہ خدا ہیں کہ انہوں نے خدا کو ہمیشہ مرد بنا کر پیش کیا ہے۔ میرے سامنے بچپن کا خدا کا رعب اور دبدبہ جس عالم میں بیان کیا جاتا، میں اسے آسمان پہ بادشاہ کے روپ میں بیٹھا تصور کرتی۔ یہ تو کسی نے بتایا ہی نہیں کہ پناہ اور دعا صرف آسمان کی سمت دیکھ کر کیوں مانگی جاتی ہے، جبکہ اگر وہ ہے تو آپ کی شہ رگ سے بھی قریب تر ہے۔"(۵)

درجہ بالا اقتباس کئی حوالوں سے اہم ہے۔ یہ اقتباس پدرسری معاشرے کے بنیادی نقطہ نظر کو پیش کرتا ہے جو صنفی عدم مساوات کو تقویت دیتا ہے، خواتین کی قائدانہ صلاحیتوں کو مسترد کرتا ہے، اور اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے مذہب کے غلط استعمال پر تنقید کرتا ہے۔ یہ فیصلہ سازی میں خواتین کی نمائندگی کی اہمیت کو کم کرتا ہے اور خدا کے صنفی تصور کو برقرار رکھتا ہے۔ کشور ناہید صنفی عدم مساوات کو برقرار رکھنے والے پدرانہ رویوں اور عقائد کو چیلنج کرنے اور تبدیل کرنے کی فوری ضرورت پر زور دیتی ہے۔

آواز اور وجود تانیثیت میں مرکزی موضوعات ہیں، جو خواتین اور پسماندہ افراد کے لیے ان کے تجربات، نقطہ نظر، اور حقوق کو تسلیم کرنے اور ان کا احترام کرنے کی ضرورت کو اجاگر کرتے ہیں۔ کشور ناہید کی نظر میں، آواز کا حصول محض نمائندگی کا حصول نہیں ہے۔ اس میں اپنے خیالات اور خواہشات کے اظہار کی خود مختاری اور خاموشی اور جبر کا خاتمہ شامل ہے۔ اسی تناظر میں وجود، تمام افراد کی جنس، نسل، یا پس منظر سے قطع نظر، ان کی اندرونی قدر اور قانونی حیثیت کی تصدیق پر مرکوز ہے۔ کشور ناہید اس نقطہ نظر کی مالک ہے کہ افراد کے حقوق اور وقار کو تسلیم کیا جائے، اس جابر نظام کو چیلنج کیا جائے جو تاریخی طور پر ان کے وجود کو کم

کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ذیل میں کشور ناہید کی خود نوشت سے ایک قدرے طویل اقتباس پیش کیا جارہا ہے جو وضاحت کرتا ہے کہ عورت اپنی آواز اور وجود کو خود ثانوی حیثیت کس طرح دیتی ہے:

> "پیدا ہوتے ہی جس نے بگھاری دال بھائیوں اور باپ کے لیے سنبھالی ہو اور باقی دیگچی میں سے سب کو دینی سیکھی ہو۔ جس نے بوٹیوں والا شوربہ مردوں کو اور خالی آلو شوربہ باقی گھر میں تقسیم ہوتا دیکھا ہو۔ اس کے اندر پرانی اور نئی دونوں عورتیں پرورش پاتی ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کو لہولہان کرتی رہتی ہیں۔ وہ اس چیز کی وکالت بھی کرتی ہے کہ عورت کو برابری کیوں نہیں دی جاتی۔ اور ساتھ ہی گھر کے کسی مرد کو برتن دھوتے، بٹن لگاتے، استری کرتے، جوتے پالش کرتے نہیں دیکھ سکتی۔ بلکہ کرنے بھی نہیں دیتی ہے۔ مرتی مر جائے، مگر گھر کے سارے کام کرے گی۔ کبھی گھر بیٹھنے والی بی بی کی طرح میاں کے گھر پہنچنے کے وقت سر پہ رومال باندھ کر، ہائے ہائے نہیں کرے گی۔ گھر میں شادی ہو تو میاں کو دھمکی نہیں دے گی۔ اتنا پیشہ لاؤ تو تمہاری بہن کی شادی میں جا سکتی ہوں۔ ورنہ تم اکیلے جاؤ، اور میاں غیرت کے مارے انتظام کر رہے ہیں پیسے کا۔ ڈر رہے ہیں بیوی سے۔ جبکہ کارکن بیوی کو معلوم ہے کہ گھر میں کتنے پیسے آتے ہیں۔ اگر انتظام کرنا ہو گا تو خود ہی کر لے گی۔ ان بیبیوں نے شوہروں کی انا کی تسکین کے لیے یہ ڈرامہ رچایا ہوتا ہے کہ انہیں تو خبر ہی نہیں سڑک کہاں جاتی ہے۔ کہاں سے نکلتی ہے۔ وہ بنک نہیں جا سکتیں، بازار نہیں جا سکتیں۔ کسی سے بات کرنی نہیں آتی۔ خود شوہر، عورت کی منافقانہ مظلومیت کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔"(۶)

درجہ بالا اقتباس ایک مروجہ معاشرتی مسئلے پر روشنی ڈالتا ہے جس میں عورت کو معاشرتی زندگی کے معاملات میں محدود رکھنے کے لیے رکاوٹوں کا سہارا لیا جاتا ہے، ان کی نقل و حرکت کو محدود کیا جاتا ہے اور معلومات تک رسائی کم کی جاتی ہے۔ مرد کی طرف سے یہ جواز دیا جاتا ہے کہ وہ عورت کو تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلبہ برقرار رکھنے کا ایک طریقہ ہے۔ اس سلسلے میں یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ خواتین اپنے گھروں سے باہر گلیوں کے بنیادی جغرافیہ سے بھی واقف نہیں ہیں۔ یہ بات عورت پر دانستہ طور پر مسلط کردہ منظم کنٹرول کی عکاس ہے، جس میں انہیں عوامی مقامات پر آزادانہ طور پر گھومنے پھرنے کی خود مختاری سے انکار کیا جاتا ہے۔ بینک یا بازار میں جانے سے قاصر ہونے کا ذکر ان کی قید کی حد پر زور دیتا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ خواتین کس طرح بنیادی معاشی اور سماجی آزادیوں سے محروم ہیں۔

یہ حوالہ جسمانی اور سماجی طور پر ان بیویوں پر عائد تنہائی کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ بات چیت یا بات چیت میں مشغول ہونے پر پابندی ان کی سماجی تنہائی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ عورت کو ایک بے بس اور مظلوم شخصیت کے طور پر پیش کرتے ہوئے شوہر اپنی بیویوں کے لیے ظلم و ستم کا ایک چہرہ برقرار رکھتے ہیں۔ یہ ہیرا پھیری شوہر کے کنٹرول کو مضبوط کرتی ہے اور بیوی کی اختیار کو کمزور کرتی ہے۔ بیوی کی ایسی تصویر بنا کر جو کہ بنیادی بات چیت سے بھی قاصر ہے، شوہر ایک ایسی روایت کو برقرار رکھتے ہیں جو ان کے غلبے کا جواز پیش کرتی ہے اور عورت کو بااختیار بنانے یا آزادی کی کسی بھی صلاحیت کو دباتی ہے۔

مزید بر آں، جملہ "عورت کی منافقانہ مظلومیت" عورت کے سماجی زندگی میں بنیادی رویے کو نشانہ بناتا ہے۔ اصطلاح "منافقانہ" کا استعمال ایک جان بوجھ کر انجان بننے کی نشاندہی کرتا ہے کہ مرد عورت کی فلاح و بہبود کے لیے حقیقی تشویش کے بجائے صرف معاشرتی رویہ سمجھتے ہوئے نبھاتا ہے۔ یہ رویہ نہ صرف تعلقات کے اندر جابرانہ حرکیات کو تقویت دیتا ہے بلکہ ان وسیع تر معاشرتی اصولوں کو بھی واضح کرتا ہے جو اس طرح کے صنفی طاقت کے عدم توازن کو برقرار رکھتے ہیں۔ کشور ناہید کا دیا گیا اقتباس ایک پریشان کن حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے جہاں عورت نہ صرف جسمانی طور پر محدود ہے بلکہ اپنے شوہر کی طرف سے اٹھائے گئے اقدامات کی وجہ سے سماجی طور پر بھی الگ تھلگ ہے۔ عورت کی بے اختیاری نہ صرف اس کی محدود جسمانی نقل و حرکت کی عکاسی کرتی ہے بلکہ وسیع تر معاشرتی اصولوں پر بھی انگلی اٹھاتی ہے جو صنفی بنیاد پر اس طرح کے جبر کو جواز دیتا ہے اور اسے برقرار رکھتا ہے۔ درجہ بالا اقتباس عورت پر عائد معاشرتی اصولوں اور توقعات کی ایک واضح تصویر ہے۔ یہ جنوب ایشیائی معاشرے میں عورت پر ڈالے جانے والے بہت سے کرداروں اور ذمہ داریوں پر روشنی ڈالتا ہے، ایسے کردار جو ایک عورت کو چپ چاپ نبھانے پڑتے ہیں۔ یہ متن معاشی انحصاری اور انتقامی کارروائی کے خوف کو بھی اجاگر کرتا ہے جس کا سامنا بہت سی خواتین کو اپنی خانگی زندگی میں کرنا پڑتا ہے۔ کشور ناہید کی تانیثی بصیرت کا اعتراف انیتا انن تارا ان الفاظ میں کرتی ہیں:

> "مرد کی عورت کے حواس کو متعدد قابو میں رکھنے کی کوششوں کی وجہ سے، کشور بالآخر یہ مشورہ دیتی ہے: وہ اس کے جسم پر تو قابو پا سکتا ہے مگر اس کے ذہن پر نہیں۔"(۷)

یہ اقتباس کشور ناہید کے تانیثی فلسفے کی عکاسی کرتا ہے۔ اس حوالے سے اہم نقطہ جسمانی کنٹرول اور خواتین کے ذہن کی خود مختاری کے درمیان فرق ہے۔ کشور ناہید کی تحریریں پدرسری اصولوں کو چیلنج کرنے اور خواتین کی آزادی کی وکالت پر مبنی ہیں۔ کشور اس نظریے کی قائل ہے کہ عورت کو اپنا انتخاب خود کرنے، آزادانہ طور پر سوچنے، اور ان سماجی مجبوریوں کے خلاف مزاحمت کرنی چاہیے جو ان کے جسم اور دماغ کو مسخر کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

کشور ناہید اکثر اپنی ذاتی اور اجتماعی جدوجہد کے بیانیے کے ذریعے اپنا نظریہ پیش کرتی ہے۔ وہ اپنے اور معاشرے میں خواتین کے تجربات کو ایک عینک کے طور پر استعمال کرتی ہے جس کے ذریعے خواتین کو درپیش وسیع عدم مساوات اور ناانصافیوں کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ امتیازی سلوک، جبر اور مزاحمت کی ذاتی کہانیاں پیش کر کے، کشور ناہید نہ صرف نظریاتی بیداری پیدا کرتی ہے بلکہ تانیثی جدوجہد کے مقصد کو پوری انسانیت کے کینوس تک پھیلا دیتی ہے۔ اپنی جدوجہد کے ذریعے، وہ مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے عورت کی لچک اور ہمت کا مظاہرہ کرتی ہے۔ وہ دوسروں کو جمود کا چیلنج کرتے ہوئے صنفی مساوات کی وکالت کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اس انداز سے، ذاتی بیانیہ اجتماعی بیانیے میں بدل جاتا ہے۔ اپنی زندگی کے ابتدائی حالات بیان کرتے ہوئے وہ لکھتی ہے:

> "ابا کے کم پڑھے لکھے رہ جانے کا ردعمل اس شکل میں نظر آتا ہے کہ انہوں نے بچوں کی اعلیٰ تعلیم کی مخالفت کی۔ اس حد تک کہ بچوں کی تعلیم کے لیے اضافی رقم دینے سے انکار کیا، گھر کا خرچہ بڑھانے سے انکار کیا، ہماری ماں نے ہمیں دو کی جگہ ایک روٹی دی۔ ایک لالٹین کے گرد پانچ بہن بھائیوں کو پڑھنے کے لیے بٹھایا۔ ایک ہاتھ سے ایک بوٹی اور شوربہ ڈال کر دیا۔ بڑے بہن بھائیوں کے چھوٹے کپڑے، بعد کے آنے والے چھوٹوں کو

پہنائے۔ کھانا بناتے وقت، چولہے کے گرد سب کو بٹھا کر، اردو اور حساب سکھایا۔ ہمارے ننھے ننھے ہاتھوں میں بھاری پتھر تھما کر ثابت لال مرچیں پسوائیں، چھاڑو دلوائی، روٹی پکوائی مگر کتاب سے آنکھ نہ اٹھانے کی ضد کی۔"(۸)

ثقافتی، سماجی اور سیاسی عوامل کے پیچیدہ تعامل کی وجہ سے پاکستان میں خواتین مصنفین اکثر "فیمنسٹ" کا لیبل قبول کرنے سے ہچکچاتی ہیں۔ اس سلسلے میں شاہد حسین راقم طراز ہے:

"۔۔۔ مشرق میں فیمینسٹ کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا اس لیے وہ لوگ یا ادیب جو حقوق نسواں کی بات کرتے ہیں خود کو فیمینسٹ کہلوانے سے ڈرتے ہیں۔ (۹)"

اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ایک ایسے معاشرے میں جہاں روایتی صنفی اصول اور پدرانہ اقدار اب بھی اثر رکھتی ہیں، اصطلاح "فیمنسٹ" ایک بدنما داغ بن کر مصنف کی شہرت خراب کر سکتی ہے اور اسے قائم کردہ اصولوں کے لیے خطرہ بھانپ کر غلط سمجھا جا سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کچھ مصنفین اپنی تحریروں پر تانیثیت کا لیبل لگائے بغیر قارئین پہنچانا پسند کرتے ہیں، کیونکہ اس طریقے سے وہ وسیع تر سامعین تک پہنچ سکتے ہیں اور صنفی مساوات اور خواتین کے حقوق کے بارے میں مزید اہم مکالموں میں مشغول ہو سکتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ حاشیہ بردار کے تناظر میں اصطلاح "فیمنسٹ" بذات خود محدود ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان مسائل اور شناختوں کی حد کو مکمل طور پر محیط نہ کرے جن پر یہ مصنفین توجہ دینا چاہتے ہیں۔ کشور ناہید اپنی زندگی کے ابتدائی ایام کو یاد کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ وہ لکھتی ہے:

"ایک دفعہ کسی اخبار میں بہت بڑی سی تصویر انعام لیتے ہوئے شائع ہو گئی۔ لینے کے دینے پڑ گئے۔ ساری پاکٹ منی خرچ ہو گئی۔ سارے چھٹے بہن بھائی، محلے کے بچے، رشتے دار اخبار اٹھائے گھر آ رہے تھے۔ ہاتھ جوڑ کر سب سے بنتی کی۔ گھر پر اماں ابا کو پتہ نہ چلے۔ جلا دو۔ چھپا دو یہ اخبار۔ مجھے بچا لو۔"(۱۰)

درجہ بالا اقتباس ایک سماجی رجحان کی عکاسی کرتا ہے کہ معاشرہ اکثر عورت کی اندرونی خوبیوں یا صلاحیتوں کے بجائے اس کی ظاہری کامیابیوں یا جسمانی شکل پر زور دیتا ہے۔ اس اقتباس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ کس طرح خاندانی اور معاشرتی دباؤ خواتین کو روایتی کرداروں کے مطابق ہونے پر مجبور کرتا ہے، جس کی علامت بھائیوں، بہنوں اور پڑوسیوں کی تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے۔ کشور ناہید کے والدین تصویر کی اشاعت سے لاعلم رہے اور اگر انہیں اس کا علم ہوتا وہ اس بات سے سخت ناخوش ہوتے۔ کشور ناہید کا خود کو بچانے کی التجا کرنا اور اس کے لیے ہر حربہ استعمال کرنا پاکستانی معاشرے میں خواتین کی کمزوری کو مزید اجاگر کرتا ہے۔ 'بری عورت کی کتھا' میں جنس اور نسوانی جسم کے تصور کا باریک بینی سے جائزہ لیا گیا ہے۔ کشور ناہید اکثر ان مروجہ معاشرتی اصولوں اور پدرانہ ڈھانچے کو چیلنج کرتی ہے جنہوں نے روایتی طور پر ان پہلوؤں کے تصور کو تشکیل کیا ہوتا ہے۔ وہ خوبصورتی کے معیارات کے از سر نو جائزہ اور اعتراض کی تشکیل کی وکالت کرتی ہے۔ اس بات پر بھی روشنی ڈالتی ہے کہ یہ معیار کس طرح نقصان دہ نظریات کو برقرار رکھ سکتے ہیں اور صنفی عدم مساوات میں حصہ ڈال سکتے ہیں۔ کشور ناہید کا مقصد یہ ہے کہ معاشرہ عورت کو جیسی وہ ہے اسی صورت میں مکمل طور پر

قبول کرے اور اس کو اپنے وجود پر شرمندگی کا احساس نہ دلایا جائے۔ اس حوالے سے نسترن احسن فتیحی کا قول قابلِ ذکر ہے کہ تانیثیت استحصال سے پاک دنیا کا ذریعہ ہے۔ وہ لکھتی ہے کہ تانیثیت:

> "۔۔۔اس استحصالی رویے کے خلاف احتجاج کی ایسی آواز ہے جو استحصال سے روکتی ہے اگر لوگوں نے اس پر کان دھرے تو پھر ایک ایسی دنیا وجود میں آئے گی جو استحصال سے پاک ہوگی، جہاں تمام طبقے مسابقت کی بجائے باہمی تعاون، بھائی چارے اور ایثار و قربانی کے ذریعے لین دین کرتے دکھائی دیں گے۔"(۱۱)

کشور ناہید کا تانیثیت کے مقاصد کو آگے بڑھانے میں اہم رہا ہے، لیکن اس نے جنسیت کے بعض پہلوؤں پر تحفظات اور قدامت پسندانہ خیالات کا اظہار کیا ہے، بشمول ہم جنس پرستی۔ ہم جنس پرست تعلقات کے بارے میں اس کا موقف عصری فیمینزم کے مطابق نہیں ہے، جو عام طور پر تمام جنسی رجحانات کے لیے قبولیت اور حمایت کو فروغ دیتا ہے۔ یہ تسلیم کرنا ضروری ہے کہ تانیثیت کے اندر موجود افراد کے نقطہ نظر مختلف پہلوؤں میں ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ کشور ناہید لکھتی ہیں:

> "۔۔۔ مگر ہم کسی لزبین کو دیکھتے ہیں تو گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔ مجھے یاد ہے ایک نقاد خاتون اپنے اسی انداز کے لیے مشہور تھی۔ انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے ایک کتا بھی رکھا ہوا تھا۔ ہر مرد ان کی عادت کا خفیہ راز دار بننا چاہتا تھا۔ ایک دن امتحان کی گھنٹی میرے گلے میں پڑی۔ رات مجھے ان کے گھر گزارنے کے تجربے سے گزرنا پڑا۔ جاتی گرمیوں کے دن تھے مگر میں نے خوف کے باعث صحن ہی میں سونے کو ترجیح دی۔ وہ خاتون کبھی اٹھتیں، گولیاں کھا لیتیں، کبھی پانی پیتیں، کبھی میرے پلنگ پر آ بیٹھتیں، میں اندر ہی اندر تجربہ کرنے والوں کو گالیاں دیتی۔ سہمی سکڑی ہوئی لیٹی تھی جب انہوں نے خوشبو ہاتھ پہ انڈیل کر میری گردن اور سینے پر ملنی چاہی۔ پھر میں نے روک دیا۔ مجھے لگا مجھے اس خوشبو سے الٹی آجائے گی۔ ساری رات اسی ادھیڑ بن میں گزر گئی۔ صبح خاتون کو ناخوش چھوڑ کر گھر آگئی۔"(۱۲)

خواتین کے حقوق اور اسقاط حمل کے بارے میں کشور ناہید کا نقطہ نظر، خاص طور پر ۱۹۷۱ء سقوط بنگال کے تناظر میں، خواتین کو بااختیار بنانے اور انہیں ان کے تولیدی انتخاب پر خود مختاری دینے کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ وہ سیاسی ہنگامہ آرائی کے درمیان خواتین کے تولیدی حقوق کی تاریخی نظر اندازی پر زور مذمت کرتی ہے۔ اس حوالے سے اس کا نقطہ نظر تانیثیت کی تحریک سے ہم آہنگ ہے کہ خواتین کے حقوق کو انسانی حقوق اور سماجی انصاف کے لیے لازمی قرار دیا جانا چاہیے۔ ۱۹۷۱ء میں کشور ناہید کو سرکاری طور پر بنگال بھیجا گیا تا کہ بنگالیوں کے خلاف حکومت کے حق میں وہ ایک کتابچہ لکھیں۔ وہاں کا منظر وہ کچھ یوں پیش کرتی ہے:

> "بوڑھی گنگا کے کنارے کیمپ بھرا تھا۔ عورتیں ہی عورتیں۔ کیا میں انہیں عورتیں کہوں؟ مشکل سے تیرہ سے پندرہ سال کی پتلی پتلی لڑکیاں جن بھی چھاتیاں بھی سانس لینے نہیں پائی تھیں مگر ان کے پیٹ چھٹے یا ساتویں مہینے کی گواہی دے رہے تھے۔

ان کے گھر والے کہاں تھے! وہ تو رات کے اندھیرے میں سازشی اور غدار کہہ کر مار دیئے گئے تھے۔ ان کی نسلیں خراب کرنے کے لیے ان کے ساتھ حرام کاری کی گئی تھی۔ وہ بے امان، بے جگہ، بوڑھی گنگا کی گود میں سوکھے ہونٹ اور سوکھی آنکھیں لیے سرنگوں بیٹھی تھیں۔"(۱۳)

کشور ناہید سمجھتی ہیں کہ کسی ثقافت کی اجتماعی سوچ وہاں کے رہنے والوں کا ورلڈ ویو طے کرتی ہے۔ اس لیے ہر انسان اگرچہ اپنے اندر انفرادیت رکھتا ہے، اس کے باوجود وہ ایک مخصوص شعوری روایت کا علمبردار ہوتا ہے۔ فہم کے کسی نہ کسی معیار پر جا کر اس روایت کا ظہور ہو رہا ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کو کشور ناہید کچھ یوں بیان کرتی ہیں:

"زندگی میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا شعور، وجدان، عقل اور کسی بھی فلسفے یا حسیت سے براہ راست تعلق نہ ہو۔ پھر بھی حقیقت سے زیادہ حقیقت کے طور پر مانی جاتی ہیں۔ دلہن تلاش کرنی ہو تو کہا جاتا ہے کہ لڑکی نہیں لڑکی کی ماں دیکھو۔ اس نے آگے جا کر وہی بننا ہے۔ اس لیے تجربے اور مشاہدے کے لیے پہلے ماں کو دیکھو۔ اب میں جبکہ ماں ہوں اور اس مقام پہ کہ ایسے فقروں کو اپنے اوپر بھی حاوی دیکھ سکتی ہوں۔ میری ماں، کیا مجھ جیسی تھی۔ شائد وہ مجھ سے بڑھ کر تھی۔ جبھی تو اپنے باپ سے بغاوت کر کے ہمیں سکول میں پڑھایا۔ باپ نے کہا۔ میرے گھر مت آؤ۔ تم لڑکیاں پڑھا رہی ہو۔ میری ماں نے کہا نہیں آؤ گی۔ میرے باپ نے کہا، میرے گھر مت آؤ۔ تم نے غیر ذات کے لڑکے سے شادی کی ہے، برقعہ اتارا ہے، نوکری کرتی ہو، ایم اے کیا ہے۔ مگر میری ماں نے بھی کہا۔ میرے گھر مت آؤ۔ میں نے اپنے بیٹے سے شادی کے بعد کہا۔ 'تم نے شادی خود کی ہے، میرے گھر مت لاؤ اپنی بیوی، خود کھاؤ، خود کماؤ، خود نبھاؤ۔' کیا فرق ہے میری ماں کی ماں، میری ماں اور مجھ میں؟"(۱۴)

درجہ بالا گفتگو کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ کشور ناہید کی خود نوشت "بری عورت کی کتھا" میں تانیثی عناصر کی کثیر جہتیں باہم مل کر خود نوشت کا بیانیہ تشکیل کرتی ہیں۔ یہ خود نوشت ایک طرح سے اس سفر کی یاددہانی ہے جو ایک عورت سے استبداد کے شکنجے سے نکل کر بااختیار ہونے تک کرتی ہے۔ یہ خود نوشت عورت کے وجود کی داستان بیان کرتی ہے کہ اور معاشرے میں انصاف پسندی کی ضرورت کیوں ہے۔ یہ کتاب جہاں مضبوط تانیثی آواز ہے وہیں پدرسری معاشرت کی نسوانیت مخالف اقدار کے خلاف علم بغاوت بھی بلند کرتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شاہد حسین، مشرق اور مغرب کا تصور تانیثیت : ایک تقابلی مطالعہ، مشمولہ: متن، تحقیقی مجلّہ، شعبہ اردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور، جلد ۴، شمارہ ۱، جنوری تا جون ۲۰۲۳ء ص ۴۱

۲۔ شبانہ سلیم، ڈاکٹر، اردو میں خواتین کی خود نوشت سوانح عمریاں تجزیاتی مطالعہ، باب العلم پبلی کیشنز، بھوپال، ۲۰۱۵ء، ص ۲۰۴

۳۔ کشور ناہید، بری عورت کی کتھا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۴

۴۔ ایضاً، ص ۹

۵۔ ایضاً، ص ۳۳

۶۔ ایضاً، ص ۶۳

7."Despite his repeated attempts to control her senses, ultimately Naheed suggests, he has no control over who she it- he can control her body, but not her mind"Anantharam, Anita (2009), Engendering the Nation: Women, Islam, and Poetry in Pakistan,

کشور ناہید، آزاد رو تانیثیت کی ایک مستعد وکیل، مضمون نگار: محمد رفیق، مشمولہ: ادراک تحقیقی مجلّہ، ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ، جلد ۱۸، شمارہ ۱۸، ۳۰ دسمبر ۲۰۲۲ء، ص ۳۳۷

۸۔ کشور ناہید، بری عورت کی کتھا، ص ۱۶

۹۔ شاہد حسین، مشرق اور مغرب کا تصور تانیثیت: ایک تقابلی مطالعہ، ص ۴۱

۱۰۔ کشور ناہید، بری عورت کی کتھا، ص ۵۰

۱۱۔ نسترن احسن فتیحی، ایکو فیمنزم اور عصری تانیثی اردو افسانہ، عکس پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۹

۱۲۔ کشور ناہید، بری عورت کی کتھا، ص ۸۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۵

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۳۰

References in Roman Script:

1. Shahid Hussain, Mashriq aur Maghrib ka Tasavvur-e-Taneesiyat: Aik Taqabli Mutalea, Included in: Matn, Research Journal, Urdu Department, The Islamia University, Bahawalpur, Volume 4, Issue 1, January to June 2023, p: 41.
2. Shabana Saleem, Dr., Urdu mein Khawateen ki Khud Nawasht Sawanih Umarian Tajziati Mutalea, Bab-ul-Ilm Publications, Bhopal, 2015, p: 204.
3. Kishwar Naheed, Buri Aurat ki Katha, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2008, p: 14.
4. Ibid, p: 9.
5. Ibid, p: 33.
6. Ibid, p: 63.
7. "Despite his repeated attempts to control her senses, ultimately Naheed suggests, he has no control over who she it- he can control her body, but not her mind" Anantharam, Anita (2009), Engendering the Nation: Women, Islam, and Poetry in Pakistan,

Cited in: Kishwar Naheed, Azaad Ro Taneesiyat ki Aik Mustad Waqeel, Essayist: Muhammad Rafiq, Published in: Idraak, Research Journal, Hazara University, Mansehra, Volume 18, Issue 18, 30 December 2022, p: 337.

8. Kishwar Naheed, Buri Aurat ki Katha, p: 16.
9. Shahid Hussain, Mashriq aur Maghrib ka Tasavvur-e-Taneesiyat: Aik Taqabli Mutalea, p: 41.
10. Kishwar Naheed, Buri Aurat ki Katha, p: 50.
11. Nasreen Ahsan Fatihi, Ecofeminism aur Asri Taneesi Urdu Afsana, Aks Publications, Lahore, 2019, p: 9.
12. Kishwar Naheed, Buri Aurat ki Katha, p: 78.
13. Ibid, p: 25.
14. Ibid, p: 130.